© rasailojaraid.com

محمد عمار خان ناصر

خاطرات

نفاذ شریعت کی حکمت عملی: ایک فکری مباحثے کی ضرورت

۲۰۰۹ء میں جن دنوں سرحد حکومت اور سوات کی تحریک نفاذ شریعت محمدی کے سربراہ مولانا صوفی محمد کے مابین ''نظام عدل ریگولیشن'' کے نفاذ کی بات چل رہی تھی، مجھے ۱۰ اور ۱۱ مارچ کے دو دن پشاور ہائی کورٹ کی طرف سے بھیجے جانے والے ایک وفد کے ہمراہ، جس میں دو درجن کے قریب سول اور سیشن جج صاحبان کے علاوہ ہائی کورٹ کے ذمہ دار افسران بھی شامل تھے، سوات کے شہر مینگورہ میں گزارنے کا موقع ملا۔ مجھے بتایا گیا کہ سرحد حکومت اور مولانا صوفی محمد کے مابین سوات میں امن وامان کے قیام اور شرعی نظام عدل کے نفاذ کے سلسلے میں جو معاہدہ ہوا ہے، اس پر عمل درآمد کے لیے ججوں کی ایک دو روزہ تربیتی ورکشاپ منعقد کی جا رہی ہے جس میں دوسرے مقررین کے علاوہ، مجھے بھی حدود وتعزیرات کے اہم پہلووں پر گفتگو کرنا ہوگی۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ اس ورک شاپ میں ججوں کے علاوہ علاقے کے علما اور خود مولانا صوفی محمد اور تحریک نفاذ شریعت محمدی کے راہنما بھی شریک ہوں گے، جبکہ اسلام کے نظام قضا کے مختلف پہلووں پر نصف درجن سے زائد ماہرین دو روز تک لیکچر دیں گے۔ میرے لیے اس سفر میں دلچسپی کا پہلو ایک تو یہ تھا کہ اس طرح مجھے حدود وتعزیرات اور اسلام کے نظام قضا سے متعلق بعض اجتہاد طلب امور پر اپنے نتائج فکر، جس کی تفصیل میں نے اپنی کتاب ''حدود وتعزیرات۔ چند اہم مباحث'' میں بیان کی ہے، قضا کے شعبے سے عملی طور پر متعلق جج صاحبان اور ان کے علاوہ تحریک نفاذ شریعت محمدی کے طرز فکر کے علما کے سامنے پیش کرنے اور ان کا رد عمل جاننے کا موقع ملے گا اور دوسرا یہ کہ اس طرح اس علاقے کی صورت حال کو زیادہ قریب سے اور ایک بہتر سطح پر زیادہ گہرائی کے ساتھ سمجھنے کا موقع ملے گا، چنانچہ میں نے طبیعت کی ناسازی اور سفر کے ممکنہ خطرات کے باوجود، ابتداءً تردد ظاہر کرنے کے بعد، اس موقع سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کر لیا۔ ان دنوں میں سوات کی طرف زمینی سفر چونکہ زیادہ محفوظ تصور نہیں کیا جا رہا تھا، اس لیے ہمیں پشاور سے مینگورہ لے جانے اور پھر وہاں سے واپس لانے کے لیے پاک فضائیہ کے ہیلی کاپٹرز کی مدد حاصل کی گئی اور یوں مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ ہیلی کاپٹر کے سفر کا بھی تجربہ ہوا۔

اس سفر میں بعض رفقائے سفر کے ساتھ تبادلہ خیال کے نتیجے میں علاقے کی صورت حال اور اس کی پیچیدگیوں کا تو کسی حد تک یقیناً اندازہ ہوا، تاہم سفر کا جو اصل مقصد بتایا گیا تھا، اس کے حوالے سے ارباب اقتدار کے غیر سنجیدہ اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

غیر حکیمانہ طرز عمل کا براہ راست مشاہدہ کرنے کا موقع ملا۔ دو درجن کے قریب افراد پر مشتمل یہ وفد سوات لے جانے کا مقصد سرے سے نہ تو کسی شرعی نظام قضا کی تربیت دینا تھا اور نہ اس نظام کے نفاذ کے سلسلے میں کوئی عملی پیش رفت کرنا، چنانچہ دو دن مینگورہ ایک ہوٹل میں گپ شپ کرنے اور دوسرے دن ڈیڑھ دو گھنٹے کے لیے ایک رسمی سی نشست کے انعقاد کے علاوہ اس موضوع پر کوئی گفتگو نہیں ہوئی۔ یہ سارا تکلف صرف مولانا صوفی محمد کو مطمئن کرنے کے لیے کیا گیا تھا کہ ان کے ساتھ نظام عدل ریگولیشن کے نفاذ کا جو معاہدہ کیا گیا ہے، حکومت اس سلسلے میں عملی اقدامات کر رہی ہے اور اس مقصد کے لیے ججوں کی ٹریننگ شروع کر دی گئی ہے۔

مولانا صوفی محمد سوات میں نظام عدل کے قیام کا جو نقشہ ذہن میں رکھتے تھے، اس میں دستور پاکستان کی پابندی قبول کرنے اور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کو اعلیٰ عدالتی اتھارٹی تسلیم کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ ان کا مطالبہ مملکت کے دستور اور مروجہ نظام سے بالکل ہٹ کر ایک متوازی نظام عدل کے قیام کا تھا۔ سرحد حکومت سوات کے طالبان کی طرف سے اٹھائی گئی نفاذ شریعت کی پر تشدد تحریک کا راستہ روکنا چاہتی تھی اور اس مقصد کے لیے اسے مولانا صوفی محمد کے تعاون کی ضرورت تھی، لیکن ظاہر ہے کہ آئین کے حدود سے ماورا اس نوعیت کا کوئی قانونی انتظام اس کے لیے ممکن ہی نہیں تھا۔ اس بنیادی الجھن کو درست طریقے سے سلجھانے کے بجائے، جو ظاہر ہے کہ ہنگامی نوعیت کی سطحی کوششوں سے نہیں ہو سکتا تھا، صوفی محمد کو ابہام میں رکھ کر کام چلانے اور سیاسی انداز میں ''وقت گزارو'' قسم کے اقدامات کرنے کی کوششیں کی گئیں جو ظاہر ہے کہ زیادہ دیر تک نہیں چل سکیں اور پھر انگریزی محاورے کے مطابق: The rest is history۔

میری اس سے پہلے بھی یہ سوچی سمجھی رائے تھی اور اس سارے معاملے سے بھی اس کی تائید ہوئی کہ پاکستان کے موجودہ سیاسی وعدالتی نظام کے خلاف مذہبی استدلال کی بنیاد پر عدم اعتماد کی موجودہ پر تشدد تحریک سے نبرد آزما ہونے کے لیے سیاسی وعسکری اقدامات سے کہیں زیادہ ضرورت ایک عمومی فکری ونظریاتی مباحثے کی ہے جس میں موجودہ نظام کی خامیوں، قباحتوں اور منافقتوں کا بھی بے باک تجزیہ کیا جائے اور اس کی اصلاح کی درست اور موثر حکمت عملی کے بنیادی اصول، اہداف، خط وخال اور عملی حدود بھی علمی وفکری بنیادوں پر از سر نو طے کیے جائیں۔ قیام پاکستان کے بعد یہاں کی اعلیٰ سطحی مذہبی قیادت نے نفاذ اسلام کے ضمن میں اپنی جدوجہد کو جمہوری سیاسی دائرے میں محدود رکھنے کا جو فیصلہ کیا تھا اور جو بنیادی طور پر بالکل صائب اور درست تھا، بہت سے اسباب وعوامل اور خاص طور پر جہاد، اسلامی حکومت اور امارت وخلافت کے ایک مخصوص تصور کے فروغ نے اس فیصلے کو فکری واخلاقی بنیادوں پر چیلنج کر دیا ہے۔ اس ذہنی وفکری لہر نے جو سوالات اٹھا دیے ہیں، حالات کا رخ بتا رہا ہے کہ پاکستان کے اہل علم زیادہ دیر تک ان سے صرف نظر کرنے کے متحمل نہیں ہو سکیں گے اور جلد یا بدیر انھیں واضح فکری بنیادوں پر ان سوالات کے حوالے سے اپنا متعین جواب قوم کے سامنے رکھنا ہوگا۔ اب تک مختلف مواقع پر اس حوالے سے جو کچھ کہا گیا ہے، وہ محض یہاں کی جمہوریت پسند مذہبی قوتوں کے ''موقف'' کا بیان ہے جس کا ان طبقات کی نظر میں کوئی وزن نہیں جو عسکریت کے راستے کو اختیار کر چکے ہیں یا اس کی طرف رجحان رکھتے ہیں۔ یہ فکری معرکہ کسی قسم کے انفرادی یا اجتماعی فتوے جاری کرنے یا وقتاً فوقتاً قراردادوں کی صورت میں اپنا موقف بیان کر دینے سے کسی انجام تک نہیں پہنچے گا۔ اس کے لیے

© rasailojaraid.com